جو ہو دسترس میں
انیتا ہزاروی

جو ہو دسترس میں

"ممی! آپ آخر میری بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہیں؟" وہ ممی کی اس عجیب و غریب خواہش پر جھنجھلاتے ہوئے بولا۔

"کیوں، آخر سمیرا میں کس چیز کی کمی ہے۔ تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں نے تمہیں کسی گائے سے شادی کرنے کا کہہ دیا ہو۔" ان کی اس بات پر علیشہ زور سے ہنسی اور پھر ہنستی چلی گئی۔ اور اس کے بارے میں ایسے بھی کہا جاتا تھا کہ اس کی ہنسی بغیر بریک کے تھی، جو ایک مرتبہ شروع ہو گئی تو پھر اللہ ہی بند کرائے۔ اس کے ہنسنے پر عباس نے اسے گھورا۔

"لیکن ممی وہ میرے معیار پر پوری نہیں اترتی، نہ صورت کے لحاظ سے اور نہ کریکٹر کے اعتبار سے۔" اس نے ایک بار پھر انہیں قائل کرنا چاہا جبکہ اس کی اس بات پر زرینہ بیگم کو پتنگے لگ گئے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ صورت تو چلو اللہ کی دین ہے بہت خوبصورت نہ سہی قابل قبول بلکہ اچھی خاصی صورت ہے۔ اس کی اور یہ تم نے جو کردار کی بات کی ہے۔ وہ تم نے کس بنیاد پر کہا ہے۔ اتنی معصوم ہے میری بھانجی۔" وہ بہت غصے میں آچکی تھیں۔

"وہ ممی کردار و سیرت کی بات میرے منہ سے نکل گئی ورنہ میں یہ تو نہیں کہنے والا تھا۔" وہ ڈرتے ہوئے بولا۔

"بس میں نے کہہ دیا کہ آج شام تم میرے ساتھ گاؤں چل رہے ہو۔ اگر زیادہ بکواس کی تو ارم کے ساتھ ہی تمہاری شادی بھی طے کر دوں گی۔ انہوں نے بڑی بیٹی کا نام لیتے ہوئے کہا۔ جبکہ گاؤں جانے کی خبر سن علیشہ کے دل کی کلی کھل گئی۔

"ممی میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" فوراً فرمائش کی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے، ارم گھر پر اکیلی ہو گی، ویسے بھی ہمیں ایک رات ہی تو ٹھہرنا ہے۔" فوراً فرمائش رد کی گئی۔

"پپا گھر پر ہونگے کوئی اکیلی نہیں ہو گی ارم۔" لہجے سے ظاہر تھا لازمی جانا ہے سوزرینہ بیگم نے اسے ساتھ لے جانے کی حامی بھری۔ اسے گاؤں جانا شروع سے ہی اچھا لگتا تھا۔ نانی اور نانا جنہیں سب پیار سے مائے اور اباجی کہتے تھے۔ دو ماموں عظیم اور شہزاد اور ان کے چار چار بیٹے بیٹیاں خوب رونق ہوتی تھی۔ ہاں اور ہاں سمیرا جو کہ خالہ کی وفات کے بعد مائے لوگوں کے پاس ہی رہائش پذیر تھی۔ اس کے ابو انگلینڈ میں مقیم تھے اور وہاں انہوں نے خالہ کی وفات کے بعد شادی بھی کر لی تھی۔ اب بھی سمیرا کے لئے رقم اور اسے فون باقاعدگی سے کرتے تھے اور دو تین دفعہ ملنے بھی آ چکے تھے۔ بڑے ماموں عظیم کے دو بیٹے، دو بیٹیاں تھیں۔ سنیع، عبداللہ، صویقہ اور سمیعہ جبکہ چھوٹے ماموں کے تین بیٹے اور ایک بیٹی، بابر، کامران، سلمان اور تانیہ۔ وہ گاؤں جانے کی اجازت ملتے ہی مسرور سی اٹھی اور سامنے پڑی ٹیبل کو یکسر بھلاتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتی تھی لیکن ٹیبل نے اسکی اس حرکت کو اپنے لئے قابل ذلت سمجھتے ہوئے ذرا سا بھی ہٹنا گوارا نہ کیا اور نتیجہ کے طور پر وہ سیدھی میز پر گری۔ سر پر اچھی خاصی چوٹ آئی جبکہ منہ کے نیچے ہاتھ رکھ لینے سے بچت ہو گئی۔ لیکن درد کو اس نے ذرا سا بھی محسوس نہ کیا اور اگر کیا بھی تو چہرے پر ایسے تاثرات نہ لائی کیونکہ ممی اگر اجازت دے سکتی تھیں تو کینسل کرنا بھی تو ان کے ہاتھ میں تھا۔

"دیکھ کر چلو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔" ممی نے ڈپٹا۔

"نہیں۔" اس نے غصے سے پیالی کو گھورا جو سر پر لگی تھی کیونکہ ہاتھ جو اس پر لگے تھے اور پیالی نتیجتاً اچھل کر آئی اور اس مداخلت کا بدلہ بخوبی لیا۔

جس وقت وہ گاؤں پہنچے تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ ممی پہلے سے ہی فون کر کے مائے کو اپنے آنے کی اطلاع دے چکی تھیں۔ گیٹ کے سامنے گاڑی روکتے ہی عباس کو کوفت نے آگھیرا۔ ویسے وہ گاؤں آنے پر کتنا خوش ہوتا تھا لیکن آج اسے سب برا لگ رہا تھا۔ "اب گیٹ کھلے گا اور حسینہ عالم کا چہرہ دکھائی دے گا۔ شلوار قمیض اور دوپٹہ تو بالکل ہی متضاد۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔ ممی نے اسکی بڑبڑاہٹ کو نوٹ کیا لیکن تب تک گیٹ کھل چکا تھا اور سامنے ہی سمیرا صاحبہ بڑی شدومد سے تندور پر روٹیاں لگانے میں مصروف تھیں۔ وہ گاڑی بڑھا کر اخروٹ کے درختوں کے نیچے لے آیا جو گھر کے آخری حصے میں بنائے گئے پورشن کے سامنے ایک شان سے کھڑے تھے۔۔ تین پورشنز تھے اور تینوں کے برآمدوں کے ذریعے ایک دوسرے سے متصل گاؤں کا گھر تھا سو بے ترتیبی سے بنایا گیا تھا۔ (گھر والوں کی نظر میں) تندور کے ساتھ ایک برآمدہ نما کمرہ اور ساتھ ایک کچن اور تھوڑا ٹیڑھا سا باتھ روم اور پھر دوسرا گیٹ جو کہ باہر کھلتا تھا جہاں سبزیاں، پھل اور گندم وغیرہ لگائی جاتی تھیں اور ساتھ ہی بھینسوں کا باڑہ، اسی گیٹ کیساتھ دیوار تھی اور اس کے سامنے ایک کیاری بنائی گئی تھی جس گیٹ سے وہ اندر آئے تھے وہاں ایک نہر تھی جس کے اوپر پل بنا کر گھر اور ساتھ والی زمین کو ملایا گیا تھا۔ گھر سے کچھ فاصلے پر ریلوے لائن تھی جہاں سے صبح و شام ٹرین گزرتی تھی۔ بڑے گیٹ کے ساتھ ہی بیٹھک تھی جو کسی حال سے مشابہہ تھی۔

وہ جس وقت گاڑی سے نیچے اترے تو تقریباً گھر میں موجود سارے افراد ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔

"السلام علیکم عباس بھائی!" وہ سمیرا کی آواز پر پلٹا۔ "کیسے ہیں آپ؟" وہ خوشدلی سے پوچھ رہی تھی۔

"اوہ تو اسے بھی اس نئے رشتے کا نہیں پتہ ورنہ "بھائی" والا حصہ استعمال نہ ہوتا۔"

"ٹھیک ہوں۔" کہہ کر سوچنے لگا۔ اور مائے کے بلانے پر انکی طرف متوجہ ہوا۔ وہ سارے صحن میں بچھی چارپائیوں پر بیٹھ گئے جو کہ عین تندور کے سامنے بچھائی گئی تھیں۔ سمیرا کے ساتھ پڑوس کی بھی کچھ لڑکیاں روٹیاں لگا رہی تھیں عباس بغور اسے دیکھنے لگا گا۔ عام سے رنگ، عام سے نقوش، ممی کو پتہ بھی تھا کہ میں کتنا حسن پرست اور پھر بھی۔ اچانک سمیرا نے کسی بات پر ہنستے ہوئے سامنے دیکھا تو عباس اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ گھبرا گئی اور گھبراہٹ میں ہی ہاتھ سے گدی پر رکھی روٹی چھوٹی اور سیدھی تندور میں جبکہ اس کا ہاتھ تپتے تندور کیساتھ لگ گیا ایک دم اس نے واپس کھینچا مع زوردار چیخ کے۔ سارے ہی تندور کی طرف بڑھے۔

"کیا ہوا سمیرا بیٹی۔" مائے ہولتی ہوئی آئیں۔

"کچھ نہیں۔" وہ بمشکل اپنے آنسو کنٹرول کر رہی تھی۔ تانیہ جلدی جلدی برنال لائی اور اس کے جلے ہوئے ہاتھ پر لگادی۔ اس نے شاکی نظروں سے عباس کی جانب دیکھا۔ اب وہ مائے کے سامنے بیٹھی تھی اور مائے بار بار کچھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ تندور پر صوبیقہ پہنچ چکی تھی۔ جبکہ تانیہ اور سمیعہ کھانا بنانے میں مصروف تھیں۔ اس کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس موقع پر کیا کرے۔ ایک دم سب میں نمایاں ہو جانا اسے کبھی بھی اچھا نہ لگا تھا۔ سو تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ اندر چلی گئی۔

"یہ عباس بھائی کو کیا ہو گیا ہے۔" وہ سوچ سوچ کر پریشان ہونے لگی۔ سب کے لئے کھانا بیٹھک میں ہی لگا یا گیا۔ اس وقت تک عبداللہ اور بابر بھی اسٹور سے واپس آچکے تھے۔ عبداللہ اور بابر نے ایم ایس سی کیمسٹری کیا تھا اور اب ایک میڈیکل اسٹور چلا رہے تھے سمیرا اور علیشہ مائے کے کمرے میں موجود تھیں اور باقی تینوں مختلف کاموں میں مصروف۔ عباس کو مائے نے سمیا کو بلانے بھیجا تو سیدھا مائے کے کمرے میں آیا۔ اسے پتا تھا وہ ادھر ہی ہو گی۔ وہ اندر داخل ہوا ہی چاہتا تھا لیکن علیشہ کے پوچھے گئے سوال نے اسے باہر ہی رکنے پر مجبور کر دیا، وہ سمیرا سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہارا آئیڈیل کیا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ وہ کونسی خوبیاں ہیں جو تم اپنے جیون ساتھی میں دیکھنا چاہتی ہو؟" اس کے اس سوال پر سمیرا زور سے ہنسی جبکہ باہر کھڑا عباس اس کے بے موقع ہنسنے پر دانت پیس کر رہ گیا۔ "بھلا اتنا ہنسنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ تاہم جواب سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"دراصل آئیڈل وائیڈیل والا چکر ہی نہیں ہے اپنے ہاں۔ جس کھونٹے سے مائے نے باندھ دیا سو باندھ دیا۔ ہاں البتہ چند خوبیاں جو میں "ان" میں دیکھنا چاہتی ہوں وہ کچھ یوں ہیں۔" سلجھا ہو، فضول ڈائیلاگ بازی نہ کرتا ہو اور خصوصاً یہ جملہ "I love you" مجھے اس سے چڑ ہے۔ جب کوئی یہ جملہ بولتا ہے تو میرا خون کھول اٹھتا ہے اور بے اختیار دل پکار اٹھتا ہے۔ "اب کے اک تھپڑ ضروری ہے سمیرا۔" وہ پھر شرارت سے ہنسی اور بولی۔ "عزت کرنا اور کروانا جانتا ہو، اور کبھی محفل میں ایسا رومانٹک جملہ نہ بولے جو مجھے شرمندہ ہونے پر مجبور کرے" اور بس اس نے بالآخر خوبیاں نامہ بند کیا تو عباس دستک دے کر اندر داخل ہو گیا۔

"سمیرا تمہیں مائے بلا رہی ہیں۔ "

"سب لوگ کھانا کھا چکے ہیں عباس بھائی؟" وہ اٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"مجھے بھائی مت کہا کرو۔" وہ ڈپٹ کر بولا جبکہ علیشہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ سمیرا حیرانی سے انکی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن اس کی پرشوق نگاہوں کی تاب نہ لا کر باہر نکل گئی۔

"علیشہ میری بہن مجھے کوئی ایسا طریقہ بتاؤ جس سے یہ رشتہ نہ ہو۔" وہ اس کے پاس آ بیٹھا۔

"لیکن آپ جو ابھی کہہ رہے تھے سمیرا سے وہ کیا تھا؟" وہ سوالیہ انداز میں پوچھنے لگی۔

"وہ تو میں ایسے ہی اسے تنگ کر رہا تھا۔"

"لیکن بھائی آپ کے اس عمل کو کس نظر سے دیکھے گی وہ، آپ نے سوچا ہے۔ اگر آپ کو اس سے شادی نہیں کرنی تو اس کے ساتھ یہ معنی خیز گفتگو نہ کریں۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔

"اچھا بڑی بی! غلطی ہو گئی، میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔"

"یہ تو کسی صورت ممکن نہیں۔ ہاں البتہ اگر انکار سمیرا کی طرف سے ہو تو آپ بچ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ مجھے یقین ہے سمیرا ایسا نہیں کرے گی کیونکہ آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو سمیرا چاہتی ہے۔"

"اوہ تو صرف سمیرا سے انکار کروانا ہو گا اور میری جو خوبیاں ہیں وہ میں خامیاں بنالوں تو بچت ہو سکتی ہے۔" وہ سوچنے لگا۔

صبح ویسی ہی تھی جیسی گاؤں میں ہوتی ہے۔ آج انکے آنے کی خوشی میں سب نے چھٹی کی تھی۔ تانیہ نے جھاڑو سنبھالی اور خزاں کا موسم ہونے کیوجہ سے کیاریاں صاف کرتے ہوئے اسے خاصی دقت ہو رہی تھی۔ صوبیقہ ناشتہ بنانے میں مصروف اور سمیعہ بستر سنبھالنے میں جبکہ سمیرا نے ہاتھ جلا ہونے کی وجہ سے چھٹی تھی۔ کامران دودھ دھونے باڑے کی طرف گیا ہوا تھا۔ جبکہ بابر اور عبداللہ اسٹور پر، سمیع اور سلمان دونوں نے اسکول سے چھٹی کی تھی۔ دھوپ نکل آنے کی وجہ سے چارپائیاں صحن میں نکال لی گئی تھیں۔ صحن میں لگے اخروٹ اور انار کے درختوں سے پتے جھڑ رہے تھے اور تانیہ جو ابھی جھاڑو لگا کر بیٹھی تھی، خزاں کو کوسنے لگی۔ انہیں مائے نے دن کے کھانے پر روک لیا تھا۔ صبح سے اباجی کامران کا پوچھ رہے تھے جو صبح ناشتہ کر کے نکلا تھا اور ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ سلمان ابھی باہر سے واپس آیا تھا سو دھر لیا گیا کہ بھینسوں کے لئے چارہ بنائے۔

"اور تم اتنی دیر سے کدھر تھے؟" اباجی نے کڑے تیوروں سے گھورا۔

"وہ میں میچ دیکھنے گیا ہوا تھا۔ فٹ بال کا ہو رہا ہے ناں۔" وہ خبر دینے والے انداز میں کہنے لگا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔ اور کامران سنیع کدھر ہیں۔ وہ بھی میچ دیکھنے گئے ہیں۔" وہ خوامخواہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیوں وہ مہمان خصوصی ہیں جو گھر کے ڈھیروں کام چھوڑ کر میچ ملاحظہ فرما رہے ہیں؟"

"نہیں اباجی مہمان خصوصی تو دلاور چچا ہیں۔" وہ انکی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"تم جاؤ اور چارہ بناؤ نہیں تو میں دیکھ لوں گا۔" وہ بمشکل مسکراہٹ ضبط کر کے بولے۔ جبکہ سلمان اپنے جلدی آجانے پر شکر ادا کرنے لگا کیونکہ اب جو کچھ سنیع اور کامران کیساتھ ہونا تھا وہ ان کے لئے سال بھر کو کافی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی سمیرا کے ابو کا فون آگیا۔ وہ اگلے ماہ کے اندر اندر آنے کا کہہ رہے تھے۔ جاتے وقت پھپھو نے تانیہ، صوبیقہ اور سمیعہ کو ارم کی شادی پر ساتھ لے جانے کو کہا کہ وہ تیار رہیں۔ کچھ دنوں تک وہ عباس کو لینے بھیجے گی انہیں اور سمیرا کو بھی۔ گو مائے نے عباس کی وجہ سے اعتراض کیا تھا لیکن زرینہ بیگم نے انہیں قائل کر ہی لیا۔ سمیرا نے رات مائے اور خالہ کے درمیان ہونے والی گفتگو اچانک ہی سن لی اور اسی سے اپنے اور عباس کے رشتے کا پتہ چلا۔ وہ صبح سے عباس کے سامنے آنے سے گھبرا رہی تھی۔ ایک عجیب سی جھجک آڑے آ رہی تھی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے شکر ادا کیا ورنہ وہ تو گھر میں ہی عباس کی نظروں سے چھپتے پھر رہی تھی۔ راستے میں زرینہ بیگم نے پھر اس سے سمیرا کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا۔

"فیصلہ تو آپ کر ہی چکی ہیں اب میرے راضی ہونے یا نہ ہونے سے کیا ہو گا۔ ویسے اب میں بھی اس فیصلے پر خوش ہوں۔" اس کی اس بات پر وہ خوش ہو گئیں۔ جبکہ وہ تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اور اس سوچ پر اس نے ارم کی شادی میں عمل کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ جب وہ بھی دس دن پہلے سے آئے گیا اوراس کی طرف سے انکار ہو گیا تو ممی کی نظروں میں سرخرو بھی ہو جائے گا اور اس کی جان بھی چھوٹ جائے گی۔ ویسے بھی ارم کی چھوٹی نند اسے خاصی اچھی لگی تھی۔ کیا پتہ یہ اچھا پن محبت میں بھی تبدیل ہو جائے۔

☆☆☆

بعض اوقات کسی کی ایک نظر بھی کتنا ڈسٹرب کر دیتی ہے۔ وہ ابھی تک خود کو عباس کی نظروں کے حصار میں محسوس کر رہی تھی جبکہ پاس بیٹھی صوبیقہ اپنی ہی سوچوں مین تھی۔ جب اس نے دو تین مرتبہ جواب نہ دیا تو کس کے ایک تھپڑ اس کی پیٹھ پر مارا۔ وہ درد سے بلبلا اٹھی۔ "ہائے مار دیا ظالم۔" "تم میری بات کیوں نہیں سن رہی تھیں۔"

"جی ارشاد فرمایئے کہیں آپ رہ نہ جائیں۔" وہ اس کی وضاحت پر چڑ کر بولی۔

"وہ میں کہہ رہی تھی کہ تنویر کتنا زبردست بندہ ہے ناں جذباتی سا۔" اس نے اپنی بات کے اختتام پر اس کی تائید چاہی جو اباً اس نے بھی زور و شور سے تنویر کی شان میں قصائد پڑھنے شروع کر دیئے۔ وہ اسوقت درمیانے پورشن میں ایف ایم سن رہی تھیں۔ سن کیا رہی تھیں ایک تو عباس صاحب کے خیالوں میں غرق اور دوسری ناول میں کھوئی ہوئی۔ سلمان جو کمرے سے کتاب لینے آیا تھا تنویر نامی لڑکے کا نام سن کر رک گیا۔ رگوں میں غیرت مند خون نے جوش مارا تو پاس پڑا ڈنڈا اٹھانے میں بھی دیر نہ لگائی۔ جبکہ وہ دونوں ابھی تک تنویر صاحب کیشان میں قصیدے پڑھ رہی تھیں بلکہ اب تو تین لڑکوں کا مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ علی عمران، کیپٹن شکیل اور صفدر اس سے مزید برداشت نہ ہوا تو ڈنڈا لیکر اندر بڑھ گیا۔ وہ اس کے مولاجٹ والے انداز سے ہی گھبرا گئیں۔

"بتاؤ یہ چاروں لڑکے کون ہیں یا آج یہیں رہوں گا یا یہ لڑکے اور تم لوگ بتاؤ ورنہ۔" اس نے ڈنڈا بلند کیا تو وہ دونوں اچھلیں اور پلنگ کے نیچے ورنہ اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔ کہنے کو تو میٹرک ہیں تھا مگر حرکات بزرگوں والی۔

"بتاؤ!" وہ پھر غرایا۔

"پاگل کن لڑکوں کی بات کر رہے ہو۔" وہ اس اچانک الزام پر گھبرا گئیں۔

"یہ تنویر وغیرہ۔" وہ غصے سے بولا۔

"اوہ تو تنویر!" صوبیقہ نے سر باہر نکالا، اسی لئے تو کہتی ہوں تم لوگ کہانیاں اور ڈائجسٹ پڑھ لیا کرو۔ اگر آج پڑھتے ہوتے تو یہ حال نہ ہوتا بھئی یہ سارے عمران سیریز کے کردار ہیں۔" وہ وضاحتی انداز میں بولی۔

"اچھا!۔" وہ شرمندہ ہوا۔" میں سمجھا کوئی لڑکے ہیں۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"اف پاگل! لڑکے ہی تو ہیں ہر کہانی میں۔" اب کے وہ دونوں پلنگ کے نیچے سے نکل آئی تھیں۔

"اور ہاں! یہ تمہارا شکی انداز، تم ہم سے کس لہجے میں بات کر رہے تھے۔ بڑی ہیں تم سے۔" صوبیقہ کو اچانک بڑے پن کا خیال آیا۔ اب کے سلمان گھبرا گیا اگر وہ اباجی سے شکایت کرتی تو یقیناً بے عزتی ہو جاتی۔

"وہ تو میں ایسے ہی کہہ رہا تھا۔" اسکے انداز پر صوبیقہ مزید شیر ہوئی اور چپل اٹھالی جبکہ سلمان نے اس کے ہاتھ میں چپل دیکھتے ہی بھاگنے میں دیر نہ کی کیونکہ اسے پتہ تھا صوبیقہ شروع ہو جائے تو پھر فی امان اللہ جبکہ چپل اڑتی ہوئی اس کے تعاقب میں گئی اور اس کے پھسل کر گرنے کی وجہ سے سیدھی سامنے آتے بابر کی ناک پر لگی۔ وہ گھبرا گئی جبکہ سلمان جو اپنے گرنے کی وجہ سے رونا چاہتا تھا ارادہ ملتوی کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اب وہ خطرے سے باہر تھا اور خطرے میں صوبیقہ صاحبہ۔ بابر نے گھور کر برآمدے میں کھڑی صوبیقہ اور سمیرا کو دیکھا۔ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ چپل کس نے پھینکی ہے کیونکہ دونوں ہی دروازے میں تھیں اور نیچے دیکھنے کی وجہ سے مجرم کو صحیح سے دیکھ نہ سکا تھا۔ سمیرا نے غداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صوبیقہ کی طرف اشارہ کیا تھا اور سائیڈ پر سلمان کیساتھ تماشائیوں میں کھڑی ہو چکی تھی۔ وہ ناک پر ہاتھ رکھ کر سیدھا اسکی طرف آیا اور عین اسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے اس کیطرف دیکھتا رہا اور پھر خاموشی سے اندر جا کر سمیرا اور سلمان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ جبکہ صوبیقہ کو اپنی طرف جارحانہ انداز میں بڑھتے دیکھ کر دونوں نے بھاگنے میں دیر نہ لگائی۔

"یہ بابر اور صوبیقہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ مجھے شک تھا اب یقین ہو گیا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ بابر جو ناک پر مکھینیں بیٹھنے دیتا اتنی بڑی چپل ناک پر لگنے پر بھی کچھ نہ بولا یہی حرکت اگر میں کرتی تو اب تک میری ناک پر دس مرتبہ چپل مار چکا ہوتا۔ اس نے مبالغہ آرائی کی تمام حدود کو توڑتے ہوئے سوچا۔ جبکہ صوبیقہ تو اس سے پکی خفا ہو گئی تھی۔ اور پھر دو دن کی مسلسل مشقت کے بعد راضی ہوئی۔

"کیا ہے صوبیقہ! کیوں خفا ہو، غلطی ہو گئی بندہ بشر جو ہوں۔" وہ اسے مناتے ہوئے بولی۔

"بندہ بشر نہیں بندہ بے شرم کہو تم خود۔" وہ جل کر بولی تھی جبکہ وہ اسے اس جملے کو کڑوے گھونٹ کی طرح پی گئی ورنہ اگر مزید بحث کرتی تو وہ کبھی راضی نہ ہوتی۔ خالہ کا فون آیا تھا اور انہوں نے ان سب کو تیار ہونے کا کہا تھا کیونکہ دو دن بعد عباس کو انہیں لینا آنا تھا۔ صوبیقہ نے تو جانے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ ابھی اس کے دو مضامین کا نصاب ختم نہیں ہوا تھا جبکہ باقی سب کے کورس کور ہو چکے تھے۔ کپڑے وغیرہ تو وہ خالہ کے پہلے دورے کے بعد ہی لے آئی تھیں اور سب نے مل کر انہیں سی بھی لیا تھا۔ سو صرف بیگز میں رکھنا تھا۔ جمعرات کی صبح ہی عباس انہیں لینے آ گیا۔ اکیلا تھا سو آتے ہی جلدی مچا دی کہ جلدی گاڑی میں بیٹھیں اسے اور بھی بہت کام کرنے ہیں۔ بمشکل اسے چائے پر روکا۔ مائے اب بھی سمیرا کے جانے پر خوش نہیں تھیں لیکن بیٹی کی ضد کے سامنے ہار گئیں۔ کیونکہ انہیں پتہ تھا عباس موڈی سا لڑکا اور سمیرا مزاج کی تیز۔ ذرا کوئی بات ہوئی نہیں اور وہ مخاطب کے پیچھے پنجے جھاڑ کے پڑ جاتی ہے۔ وہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ تینوں لڑکیاں پیچھے بیٹھی تھیں۔ وہاں سے تو عباس چپ چاپ گاڑی لے آیا۔ لیکن بڑی سڑک پر پہنچتے ہی اس نے گاڑی روک دی۔ وہ تینوں سوالیہ نظروں سے اس کیطرف دیکھنے لگی۔

"میں گاڑی تب چلاؤں گا جب سمیرا آگے میرے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے گی۔" وہ ان کی سوالیہ نظروں کے جواب میں بولا۔ وہ تینوں اس کی اس عجیب وغریب خواہش پر پریشان ہو گئیں۔ بالآخر سمیعہ نے سمیرا کو

آگے جانے کا اشارہ کیا۔ کیونکہ عباس کے تیوروں سے لگ رہا تھا کہ وہ سچ مچ گاڑی نہیں چلائے گا اور مائے نے کہا تھا کہ ادھر پہنچ کر فون کرنا تاکہ میں پریشان نہ ہوں۔ سمیرا بادل نخواستہ اتر کر آگے بیٹھ گئی۔ اسے عباس کی اس بات پر کتنی شرمندگی ہوئی اس بات کا اندازہ شاید عباس کو نہیں تھا۔ جانے صوبیقہ اور تانیہ کیا سوچتی ہو گی۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ گاڑی اسٹارٹ ہونے پر سمیعہ اور ثانیہ نے سر سیٹ کی پشت سے لگا کر آنکھیں موند لیں جبکہ وہ تو یہ بھی نہ کر سکی۔ وہ ساری سدا کی نیند کی رسیا تھیں۔ بقول مائے "وہ جہنم میں بھی آرام سے سو جائیں گی۔" ان کے سونے کے بعد اس کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پچھلے دنوں اس نے عباس کو اتنا سوچا تھا کہ اب عباس کے بغیر اسے دنیا خالی خالی لگنے لگی تھی۔ نہ چاہنے کے باوجود بھی وہ عباس کے عشق میں ڈوب چکی تھی۔ اسے حیرت ہوتی کہ صرف ان چند دنوں میں وہ اس کے لئے کتنا اہم ہو گیا ہے کہ اب وہ اس کی یادوں سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہی اور اب وہ اس کے قریب بیٹھا تھا تو اس کی گھبراہٹ اپنے عروج پر تھی ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے تھوڑی دیر پہلے جو شرمندگی کا احساس تھا۔ وہ معدوم ہو کر "حیا" میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جبکہ عباس کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ پلان کا پہلا حصہ وہ بخوبی ادا کر چکا تھا اور اب وہ آنے والے مراحل کو ترتیب دے رہا تھا اور ان تمام لمحوں میں وہ اخلاقیات کی تمام حدود کو پار کر چکا تھا۔ اور شاید اس کا ضمیر بھی کوما میں چلا گیا تھا۔ سیدھے طریقے سے بھی اسنے کافی بار ممی پپا کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی طور نہین مان رہے تھے ممی کی وہ بھانجی تھی تو پپا کے بیسٹ فرینڈ کی بیٹی۔ اس سلسلے میں انہوں نے بہنوں کی بیٹیوں کو بھی لفٹ نہیں دی تھی تو ان سے کیا توقع رکھتا سو اپنے تئیں کوشش کرنے میں لگا۔ اور ان دنوں ارم کی نند بھی چکر پر چکر لگا رہی تھی اور وہ تھی اتنی خوبصورت کہ وہ کسی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ لمبی دراز زلفیں، کتابی چہرہ، پر اعتماد، مقابلہ کو لمحہ بھر مین زیر کر دینے والی کیا کیا خوبی اس میں نہیں تھی اور ایک طرف تھی سمیرا اس کی ہر خوبی اس کی خامی تھی۔ وہ بے دھیانی میں اسے دیکھنے لگا تو اس کے

گندمی گال سرخ ہو گئے۔ پلکیں جو جھکیں تو پھر اٹھ نہ سکیں۔ وہ سامنے دیکھنے لگا۔ یہی شرمانا لجانا لڑکیوں کا اسے کوفت میں مبتلا کر دیتا۔ اور سمیرا تو اس معاملے میں خود کفیل تھی۔ آج تک اس نے اسے اس طرح شرماتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دودھیال والے کزنز اور تانیہ لوگوں کے کزنز سے تو وہ شروع سے ہی کچھی کچھی رہتی تھی۔ کبھی کسی کو ایک حد سے زیادہ لفٹ ہی نہ دی تھی یا شاید وہ لڑکوں کی بات کر ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں غرق اور سمیرا اپنی گھبراہٹ چھپانے کی سعی میں مصروف دو گھنٹوں کے اندر اندر وہ گھر پہنچ گئے تھے۔ سمیعہ اور تانیہ جاگ چکی تھیں اور اب اتر رہی تھین جکہ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولنا چاہا تو عباس نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بری طرح گھبرا گئی اور اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔

"آ۔۔۔ آں ایسے تو نہیں چھوڑوں گا۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ آج تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا اور نہ ہی مجھ سے کوئی بات کی ہے ورنہ تمہیں چپ کرانے کے لئے خاصی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔" اس نے دیکھا سمیعہ اور تانیہ اسے اترنے کا اشارہ کر کے اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ اس کے ہاتھوں سے پسینہ پھوٹ پڑا اور اس نے بے بس نظروں سے عباس کی طرف دیکھا تو اس نے جانے کیا سوچ کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ہاتھ کے چھوٹتے ہی دروازہ کھول کر اندر کی طرف بھاگی۔ پھولی سانسوں کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی۔ خالہ جو اسے ہی دیکھنے آئی تھیں۔ اس سے سانس پھولنے کی وجہ پوچھنے لگی۔ اس نے بمشکل ٹالا۔ گھر میں عباس کی پھپھیوں کی بیٹیاں پہلے ہی آ چکی تھیں۔ بڑی پھپھو کی سونیا اور چھوٹی پھپھو کی انیقہ۔ خالہ اس سے مائے اور باقی گھر والوں کا پوچھنے لگیں۔ تبھی ملازم ان کا سامان کمرے میں رکھ گیا۔ تو خالہ نے ان تینوں کو فریش ہونے کا کہا۔ علیشہ بھی ان کے ساتھ ہی ان کے کمرے میں آ گئی۔ سمیعہ نہانے گئی اور تانیہ پانی پینے تو علیشہ نے سمیرا سے پوچھا۔

"عباس بھائی نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟"

"نہیں لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" اسنے جواب کیساتھ ہی سوال کیا۔ "ویسے ہی وہ عباس بھائی ارم کے ساتھ ہی اپنی شادی کروانے کا بھی کہہ رہے تھے۔ تمہیں پتا ہے ناں وہ تمہارے منگیتر ہیں۔" اسکے اثبات میں سر ہلانے پر وہ گویا ہوئی۔

"ممی نے بمشکل روکا ہے کہ تمہارے ابو کے آنے کا انتظار کر لیا جائے اور ان کے آنے پر ہی نکاح کی رسم ادا کی جائے گی۔" وہ شرارتی انداز میں بولی۔ "پتہ نہیں کیا جادو کر دیا ہے تم نے میرے بھائی پر ایک تو راضی نہیں ہو رہے تھے اور اب ایک ماہ کے اندر اندر شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" اس نے پہلا جملہ دھیان سے سنا ہی نہیں ورنہ چونکتی ضرور۔ سونیا اور انیقہ دونوں بڑی اچھی طرح ملی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی خالہ نے کھانا لگنے کی خبر دی تو وہ ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ گئیں۔ ڈائننگ ٹیبل پر عباس اس کے سامنے بیٹھا مسلسل اس پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ نتیجتاً اس سے بالکل بھی کھانا نہیں کھایا جا رہا تھا۔

"عباس بھائی! سمیرا پورے پندرہ دن کے لئے آئی ہے۔" علیشہ نے شرارتی انداز میں کہا تو عباس بولا۔

"تو پھر؟"

"تو پھر یہ کہ آپ یہ کام پھر کسی وقت کیجئے گا اس وقت اسے کھانا کھانے دیں۔"

"میں نے کب روکا ہے۔ کیوں سمیرا؟" عباس نے اپنی بات کے اختتام پر سمیرا سے تائید چاہی تو وہ صرف اثبات میں سر ہلا کے رہ گئی۔

"سمیرا میرے لئے چائے بنا کر میرے کمرے میں لے آؤ۔" وہ کھانا کھا کر اٹھتے ہوئے بولا اور دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ سب کے چہروں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی جبکہ وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

"میرے ساتھ ارم تم بھی آ جاؤ۔" وہ اوپر جاتے ہوئے بولی۔

"میں کیوں کباب میں ہڈی بنوں۔" اس نے صاف انکار کیا جبکہ سمیعہ بولی۔

"سمیرا اسپتال فون کرکے ایمبولینس منگوالو۔"

"کیوں؟" وہ نہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

"کیونکہ جس طرح تم ڈر رہی ہو اس طرح حرکت قلب بند ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔"

"دفع ہو تم لوگ۔ میں کوئی نہیں ڈرتی۔ ویسے ہی تم لوگ میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" وہ دل ہی دل میں درود شریف پڑھتی اوپر جانے لگی۔ دروازے پر رک کر اس نے لمبی سانس لی اور دستک دے کر اندر داخل ہو گئی۔ وہ سو رہا تھا یا پھر ویسے ہی آنکھیں موندے لیٹا تھا وہ سمجھ نہ پائی۔

"عباس! چائے۔" اس نے آواز دی لیکن جواب ندارد۔ اس نے چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور سوچنے لگی کیا کرے۔ اسے پتا تھا کہ عباس سو رہا ہے سو بڑے مزے سے کھڑی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھی۔ بالآخر اس نے اسے جگائے بغیر پلٹنے کا فیصلہ کیا جیسے ہی وہ پلٹی عباس نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اس کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ تھی سو بمشکل اپنا توازن برقرار رکھ سکی اور اس کوشش میں اس نے اس کے سر کا سہارا بھی لیا تھا۔

"ذرا سا دم نہیں ہے تم میں اور سنیع، سلمان سے ہر وقت لڑتی رہتی ہو۔" وہ اس کے رد عمل پر مسکرا کر بولا۔

"وہ میں چائے لے آئی ہوں۔" وہ قدرے گھبرا کر بولی۔

"جی مجھے پتا ہے آپ چائے بھی لے آئی ہیں اور پورے کمرے کا تفصیلی جائزہ بھی لے چکی ہیں تاکہ مستقبل میں آپ کو چیزوں کی تلاش میں آسانی ہو۔" وہ اس کی آخری بات پر بری طرح جھینپ گئی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلنے کو تھی جب پشت سے اس کی آواز آئی۔

"سنو سمیرا! آئی لو یو۔" وہ جو بڑی مسرور سی باہر نکل رہی تھی عباس کے آخری جملے پر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ باہر نکلی تو تانیہ پانی کا گلاس لیے کھڑی تھی اس کے لئے۔ دونوں باتوں کا غصہ ملا کے ڈبل ہو گیا۔ سو جا کر کھٹ سے دروازہ بند کر دیا۔ اگلے دن عباس اسے ممی کی اجازت سے شاپنگ کرانے لے گیا۔ گو وہ جانا نہیں چاہ رہی تھی لیکن خالہ کے کہنے پر چلی گئی۔

"عباس جو آپ کو کپڑے وغیرہ اچھے لگیں وہ آپ لے لیجئے گا، مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے شاپنگ کا۔" یہ وہ پہلی بات تھی جو اس نے اس تمام عرصے میں عباس سے کی تھی۔ جواباً وہ کچھ بھی نہ بولا۔ "جانے کیا سوچ رہا ہے۔" ساری شاپنگ پھر اس نے خود ہی کی۔ ہاں البتہ کپڑوں کے انتخاب میں اس نے ان کے "پورے" ہونے کا خیال رکھا تھا۔ کوئی بھی سوٹ ہاف سلیو یا سلیولیس نہیں تھا۔ شاپنگ کے بعد وہ اس کو لنچ کرانے ہوٹل لے گیا۔ گو اس نے بہتیرا روکا لیکن وہ نہیں مانا۔ "اگر مائے کو یہ پتا چل گیا یا پھر ماموؤں کو تو۔" وہ سوچ کر پریشان ہونے لگی۔ بمشکل اس نے چند نوالے کھائے۔ واپسی پر عباس بہت غصے ہو رہا تھا۔

"یہ کیا طرز عمل تھا تمہارا۔ تمہیں کوئی مار رہا تھا یا تمہیں کوئی کھا جاتا جو تمہارے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔" وہ جواباً کچھ نہ بولی۔ ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں میں امڈ آئے۔ لیکن اس کی خفگی کا خیال کر کے بولی بھی تو غلط جملہ۔

"میں اس سوسائٹی میں موو نہیں کر سکتی۔ میں نے کبھی ہوٹلنگ نہیں کی اور بہت سے لوگوں کو دیکھ کر میں گھبرا جاتی ہوں۔"

"بہت سے لوگوں سے کیا تم تو مجھ سے بھی گھبرا جاتی ہو۔ ممی کو میں نے منع بھی کیا تھا لیکن انہیں تم پر بڑا بھروسہ تھا۔" وہ غصے سے بولا تو اس کے آنسو بہہ نکلے۔

"تو آپ کو خالہ نے زبردستی اس رشتے پر راضی کیا ہے۔" وہ ضرورت سے زیادہ ہی جملہ و لہجہ شناس تھی۔

"میں نے یہ کب کہا ہے۔" وہ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔

"اچھا اب چہرہ صاف کرلو گھر آنے والا ہے۔" وہ پرانے انداز میں لوٹا۔

سب کو عباس کی شاپنگ کیے ہوئے ملبوسات اچھے لگے تھے۔ لیکن اس کا دل بجھ چکا تھا۔ جانے کیوں اس کا ذہن ایک جملے میں اٹک گیا تھا۔ بہر حال اس واقعہ کے بعد عباس کا رویہ نارمل ہی رہا۔ اپنے پلان کے مطابق اس نے روازانہ رات کا دودھ جو وہ پیتا تھا اس کے ذمے لگا دیا کہ وہ لیکر آیا کرے۔ اس رات 1 بجے محفل برخاست ہوئی تو تانی کے سر میں بہت درد تھا سارے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ سمیعہ تو کب کی سو چکی تھی۔ لہٰذا وہ ثانیہ کا سر دبانے لگی۔ آدھے گھنٹے بعد جب اس نے دیکھا کہ ثانیہ سو چکی ہے تو اسے یکدم عباس کے دودھ کا خیال آیا۔ پہلے تو اس نے سو جانے کا ارادہ کیا لیکن پھر جانے کیا سوچ کر وہ باہر نکلی۔ باہر ساری لائٹس آف ہو چکی تھیں۔ اسنے کچن میں جاکر دودھ گرم کیا اور گلاس میں ڈال کر عباس کے کمرے کیطرف بڑھ گئی۔ دستک دیکر وہ اجازت کا انتظار کرنے لگی۔ پھر دستک دینے پر اسے عباس کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی تو وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ البتہ اس نے دروازہ کھلا ہی رکھا۔ کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی تاریکی پر اچھی طرح قابو نہیں پا سکی تھی۔ اس نے لائٹ آن کی اور گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر عباس کو جگانے لگی اس کی پہلی آواز پر عباس نے "اوں۔" کر کے کروٹ بدلی۔

"عباس اٹھیے میں دودھ لائی ہوں۔" وہ اس کے چوتھی بار بلانے پر جھنجلا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ عباس نے برا سا منہ بناتے ہوئے اس کے ہاتھ سے گلاس لیا اور بولا۔

"دوھ پینا بہت ضروری تھا۔ ابھی ابھی آنکھ لگی تھی اور تم پہنچیں۔" پھر گھڑی پر نظر ڈالی تو دو بجنے میں پانچ منٹ تھے۔" باہر سب سو گئے ہیں۔" اس نے اثبات میں سر ہلانے پر مزید گویا ہوا۔ "اتنی رات گئے اور وہ بھی تب جب سب سو چکے ہوں تمہیں میرے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس طرح رات گئے کسی جوان

کے کمرے میں نہیں آنا چاہیے پاگل لڑکی۔" وہ واقعی نیند میں تھا ورنہ یہ سب کہنے کے بجائے اس موقع سے فائدہ اٹھاتا۔۔

وہ "جی اچھا!" کہہ کر گلاس لیکر پلٹ گئی تو وہ ہولے سے مسکرایا اور لیٹ گیا۔ اگلے چار پانچ دن وہ اسے سب کے سونے سے پہلے محفل کے دوران ہی دودھ کا گلاس لا دیا کرتی تھی۔ اور وہ مسلسل پچھلے چار پانچ دنوں سے عجیب سی بے چینی میں گھرا ہوا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے سمیرا کو دیکھ کر ہی اچانک اسے غصہ کیوں آجاتا ہے، وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ کیوں نہیں پہنا پا رہا۔ وہ اس کو کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ بالآخر اسنے آج اپنے منصوبے کو آخری ٹچ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ پرسوں مہندی تھی اور اسی دن صبح مائے لوگوں کو آجانا تھا۔ اور وہ ایسی کوئی حرکت اس دن نہیں کرنا چاہتا تھا سو ابھی سب ہلا گلا کر رہے تھے کہ وہ اٹھا اور سمیرا کو اپنے کمرے میں آنے کا کہہ کر اوپر چلا گیا۔ وہ اس وقت بلاوے پر پریشان ہو گئی۔ اس نے کوئی کام جو نہیں بتایا تھا۔ پچھلے چار پان چدنوں میں اس کے رویہ میں غیر معمولی تبدیلی آئی تھی۔ جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ کبھی وہ انتہائی معصوم لگتا اور کبھی انتہائی گھٹیا۔ بہر حال وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں چلی گئی۔

"میں تمہیں کیسا لگتا ہوں سمیرا۔" وہ اس کے سوالیہ نظرون کے جواب میں بولا۔ وہ پہلے تو حیران ہوئی اور پھر شرمیلی مسکراہٹ کیساتھ سر جھکا دیا۔ یہی انداز اسے کوفت میں مبتلا کر دیتے تھے۔ وہ بمشکل خود کو پلان کے آخری مرحلے پر راضی کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور دونوں کندھوں سے تھامتے ہوئے بولا۔

"تمہیں میں چاہے جیسا بھی لگوں لیکن تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔" وہ تھوڑا سا جھکا تو وہ جیسے سکتے سے باہر آگئی۔

"یہ کیا کر رہے ہو عباس۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"پیار۔۔۔۔۔!" وہ انتہائی خباثت سے بولا۔

"شٹ اپ مسٹر عباس۔ چھوڑو مجھے ورنہ میں شور مچاؤں گی۔" وہ اس کے بازوؤں میں پھڑپھڑا کے رہ گئی۔

"مچاؤ شور۔" وہ اسے شور مچانے کی دعوت دے رہا تھا۔ اس کو اس لمحے عباس سے شدید ترین نفرت محسوس ہوئی۔

"برے لگتے ہو تم مجھے۔ تم انتہائی گھٹیا انسان ہو، شرم نہیں آتی تمہیں۔" وہ بے بسی اور غصے کے ملے جلے تاثرات سے بولی۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی غلط حرکت کرتا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا، سمیرا پشت پر دروازے کے ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں پائی لیکن اس کا نازک سا دل بری طرح دھڑکا بدنامی کے احساس سے۔

"اوہ سوری عباس، میں نے اسوقت تم لوگوں کو ڈسٹرب کیا۔ لیکن اگر تم فارغ ہو جاؤ تو میری بات سن لینا۔" سونیا معنی خیز انداز میں کہتی پلٹ گئی۔ تو عباس ایک دم اسے چھوڑ کے باہر نکلا اسے کسی بھی رد عمل کا موقع دیئے بغیر۔ وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ کم از کم اسے عباس سے یہ امید نہیں تھی۔ اس کے دل میں عباس کے خلاف نفرت وہ الاؤ روشن ہو چکا تھا جس کی آگ اسے خود جلائے دے رہی تھی۔

"نہیں کروں گی میں عباس گھٹیا سے شادی۔" وہ چہرہ صاف کرتی ہوئی اٹھی اور سیدھی اپنے کمرے کیطرف بڑھ گئی۔ سمیعہ اور تانیہ کمرے میں موجود نہیں تھیں۔ وہ کمبل سر تک اوڑھے سوتی بن گئی۔ ان کے آنے پر بھی نہ بولی۔ اس وقت اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اپنی عزت بچ جانے پر اس نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ ایک دفعہ پھر اس کے آنسو شدت سے رواں ہو گئے۔ وہ بمشکل اپنی ہچکیوں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔ مائے اسے شدت سے یاد آ رہی تھیں۔

عدم تحفظ کا احساس اس کے رگ وپے میں سرایت کر گیا۔ نجانے کب نیند کی مہربان دیوی نے اس اپنی

آغوش میں لے لیا، وقتی طور پر ہی سہی وہ اس اذیت ناک لمحے کی قید سے تو نکلی۔ صبح اس کی آنکھ آٹھ بجے کے قریب کھلی۔ رات والا واقعہ یکسر فراموش ہو چکا تھا۔ سمیعہ اور تانیہ کمرے میں موجود نہیں تھیں۔ اسے غصہ آیا کہ انہوں نے اسے کیوں جگایا۔ اس کی فجر کی نماز جو رہ گئی تھی۔ بہرحال وہ ان سے لڑنے کے ارادے سے باہر نکلی۔ ان کے ساتھ والا کمرہ سونیا اور انیقہ کے زیر استعمال تھا۔ ان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ جس وقت وہاں سے گزرنے لگی تو اپنا نام سن کر رک گئی۔ سونیا غالباً کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔

"جی ممی میں بھی پہلے اسے بڑا معصوم سمجھتی تھی اور وہ چہرے سے بھی لگتی تھی لیکن آج رات میں نے جس طرح اسے عباس کے ساتھ دیکھا ہے 'خدا کی پناہ۔ وہ اب رک کر دوسری طرف ہونے والی سن رہی تھی۔ "نو ممی زبردستی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ایسی کوئی بات تھی بھی تو کم از کم ایک تھپڑ تو رسید کر سکتی تھی 'میرے خیال میں تو اس کی رضامندی بھی شامل تھی"۔ اس سے مزید کچھ سنا نہ گیا۔ ایک دم رات والا واقعہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھر آ گیا۔ غصے کے فسادی ناگ نے اسے بری طرح جکڑ لیا۔ وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر عباس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سونیا نے اسے عباس کے کمرے کی طرف جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ بغیر دستک دیئے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ عباس سر تولیے سے رگڑتا ہوا واش روم سے باہر نکل رہا تھا۔ اس نے بغیر کچھ بولے جا کر اس کے چہرے پر پے درپے تین تھپڑ مارے اور اب فاتحانہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے"۔ وہ غصے سے چنگھاڑا۔

"یہ بدتمیزی نہیں رات والی بدتمیزی کا جواب ہے"۔ وہ نہایت اطمینان سے بولی۔ عباس کے چہرے کے تاثرات یک لخت تبدیل ہوئے۔ چہرے پر کمینی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"رات تو کچھ نہیں ہوا تھا۔ تمہیں تو میں اب بتاؤں گا کہ بدتمیزی کیا ہوتی ہے"۔ وہ اس کی طرف بڑھتے

ہوئے بولا۔اب اسے احساس ہوا کہ وہ کیا غلطی کر چکی ہے۔وہ بدستور اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے دروازے سے جا لگی۔خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور لب مسلسل آیۃ الکرسی کا ورد کرنے لگے۔وہ ایک ہاتھ دروازے پر رکھتے اس کے طرف تھوڑا جھکا۔یک لخت دروازے پر دستک ہوئی۔وہ دستک کی آواز پر ڈر گئی اور ایک چیخ کے ساتھ عباس سے جا ٹکرائی۔

"کون؟"عباس اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے بولا۔

"بیٹا ناشتہ تیار ہو چکا ہے جلدی سے نیچے آ جاؤ"۔

"جی اچھا ممی آ رہا ہوں"۔ان کی آواز سے لگ رہا تھا کہ انہوں نے سمیرا کی چیخ نہیں سنی۔وہ غصے سے سمیرا کی طرف دیکھتے ہوئے باہر نکل گیا جو کارپٹ پر بیٹھی رونے میں مصروف تھی۔اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کسی نے دروازہ کھول کر اس کی وہاں موجودگی کی تصدیق کی ہے۔تھوڑی دیر بعد اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور نیچے اتر گئی۔سارے لوگ ناشتہ کرنے میں مصروف تھے اسے آتے دیکھ کر خالہ نے پوچھا۔

"سمیرا بیٹا کدھر تھی میں نے تمہیں کمرے میں بھی دیکھ لیا تھا تم ادھر موجود نہیں تھی"۔

"وہ میں باتھ روم میں تھی"وہ بمشکل الفاظ ادا کر پائی تھی۔

"عباس کے"۔وہ سونیا کے ساتھ والے کرسی پر بیٹھ رہی تھی، جب سونیا نے کہا تو اس کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرایا۔

"سمیرا میں نے تمہیں صبح نماز کے لئے جگایا تھا لیکن تم اٹھ ہی نہیں رہی تھی"۔ثانیہ نے حفظ تقدم کے طور پر کہا کیونکہ اسے پتہ تھا ابھی سمیرا نے اس بات پر لڑنا ہے لیکن وہ کچھ نہ بولی۔

"سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی"۔سونیا نے پھر طنز کیا۔سمیرا نے گھبرا کر اوپر دیکھا۔سارے لوگ ناشتے میں مصروف تھے۔خالہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔وہ ایسے ہی بغیر کچھ لئے بیٹھی رہی۔کسی کا دھیان

اس کی طرف نہ آیا کیونکہ کسی کے دیکھنے پر وہ ایک دم توس اٹھا لیتی۔آج عباس کے سارے ددھیالی رشتے دار آ گئے تھے۔کیونکہ کل مہندی جو تھی۔سارے کزنز جب اکٹھے ہوئے تو خوب ہلا گلا کیا۔آج وہ کمرے سے باہر نہ نکلی وہ خود میں اتنا حوصلہ ہی نہیں پا رہی تھی۔بہر حال اس نے خالہ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔رات کے وقت جب سارے نوجوان لڑکے لڑکیاں بیٹھے ہلے گلے میں مصروف تھے تو وہ خالہ سے بات کرنے ان کے کمرے میں گئی۔وہ اس وقت اکیلی تھی کمرے میں۔

"وہ خالہ!مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے"۔وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

"ہاں کرو"۔ان کا انداز عجیب سا تھا۔

"وہ میں عباس سے شادی نہیں کر سکتی آپ مائے سے اس سلسلے میں کوئی بات مت کیجیئے گا"۔

"کیوں؟"وہ اس کی بات سن کر اچھل پڑیں اور وہ یہ بھول کر کہ وہ عباس کی ماں پہلے بعد میں اس کی خالہ ہیں بولی۔

"اس کا کردار ٹھیک نہیں ہے۔وہ کسی لڑکی کی عزت نہیں کر سکتا"۔

"تو یہ بات ہے"۔طنزیہ انداز میں مسکرائیں۔

"اپنے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"جی؟"وہ ان کے سوال پر چونک پڑی۔

"تم کیا سمجھتی ہو مجھے کچھ پتہ نہیں۔آج رات تم عباس کی بانہوں میں غالباً اپنے با کردار ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں یا پھر صبح صبح تم اس کے کمرے میں کیا کر رہی تھیں۔اللہ بھلا کرے سونیا کا جس نے مجھے تم سے بچا لیا۔میں اس کی بات کا یقین نہ کرتی اگر میں خود تمہیں عباس کے کمرے میں نہ دیکھتی۔عباس تو پہلے ہی شادی پر رضامند نہیں تھا۔وہ ٹھیک کہتا تھا کہ تم سیرت و صورت کسی لحاظ سے اس کے معیار کے مطابق

نہیں ہو۔ میں ہی تمہاری بھولی بھالی صورت کے فریب میں آ گئی۔ مائے سے تو میں تمہارے لئے ویسے بھی بات نہیں کروں گی۔ لیکن تمہارے کرتوت ضرور بتاوں گی۔" جانے کیا کیا ادائیں دکھائی ہوں گی میرے بیٹے کو جو وہ تم سے شادی کرنے پر راضی ہو گیا' حالانکہ وہ تو تمہیں ناپسند کرتا تھا"۔ وہ جانے اور کیا کیا کچھ کہتی رہیں۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولا سا اٹک گیا اور آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کی دھند چھا گئی۔ وہ باہر نکل گئیں تو وہ بھی اپنے زخموں سے چور چور وجود کو گھسیٹتے ہوئے باہر نکلی۔ آنکھوں کے سامنے دھند ہونے کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ سامنے سے آتے عباس سے بری طرح ٹکرا گئی۔ اس کے کب کے زبردستی روکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔ عباس نے بمشکل اسے گرنے سے بچایا۔

"اندھی ہو۔ دیکھ کر نہیں چل سکتی"۔ وہ غصے سے بولا تو سمیرا نے اسے جن نظروں سے دیکھا وہ اسے اندر تک چھید گئیں۔ وہ خود کو اس سے چھڑاتے ہوئے باہر لان میں نکل آئی اور وہ بھی سر جھٹک کے ریحان' وسیم اور سبحان لوگوں کی طرف بڑھ گیا جو اسے لڑکیوں سے ہارنے پر مدد کے لئے پکار رہے تھے۔ وسیم بڑی پھوپو کا بیٹا تھا اور ریحان سبحان چھوٹی پھوپو کے۔ وہ باہر لان میں تقریباً ایک تاریک گوشے میں بیٹھ گئی۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہاں بیٹھنے سے ڈرتی لیکن اب اسے صرف اور صرف بدنامی کا خوف تھا۔ اگر خالہ نے مائے اور ممانیوں کو بتا دیا تو اس کا تصور کرتے ہی اس کا دم گھٹنے لگتا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی روح کھینچ لی ہو اور اس سب کا ذمہ دار عباس تھا۔ جسے وہ کبھی جنوں کی حد تک چاہتی تھی اور اب اس کے خلاف دل میں اتنی نفرت بھر چکی تھی کہ وہ اسے دیکھنے سے پہلے مر جانا زیادہ پسند کرنے لگی۔ اس کی حالت عجیب ہونے لگی تو وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ اندر اب شور معدوم ہو چکا تھا۔ غالباً سارے سونے چلے گئے تھے۔ اندر لائٹس آف ہو چکی تھیں لیکن اب اچانک لان والی لائٹ جلائی گئی تھی۔ وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ تھوڑی دیر بعد تانیہ اور سمیعہ باہر نکلیں اور اسے لان میں بیٹھا دیکھ کر اس کے طرف آئیں۔

"کب سے ڈھونڈ رہی ہوں تمہیں۔ وہ تو تمہارے کپڑے الماری میں دیکھ کر حوصلہ ہوا ورنہ میں تو ڈر گئی تھی۔" تانیہ مذاق کرتے ہوئے بولی۔

"چلو اندر اتنی ٹھنڈ ہے باہر اور محترمہ بغیر کسی سوئٹر اور شال کے لان میں ایسے کھڑی ہیں جون کا مہینہ ہو جیسے"۔ وہ اس کے کسی بھی قسم کے رد عمل کا اظہار نہ کرنے پر بولی اور اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے دونوں اوپر کمرے میں لے آئیں۔

"کیا ہوا سمیرا تم ٹھیک تو ہو؟" وہ اس کے غیر معمولی انداز پر ٹھٹک کر بولیں۔

"آ۔۔۔۔۔۔ہاں ٹھیک ہوں میں"۔ وہ جواباً بولی اور کمبل سیدھا کرتے ہوئے اندر گھس گئی۔ اب اسے سردی کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے پریشانی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ سمیرا کو کسی قسم کا خوف نہیں رہا تھا۔ پچھلے چار یا پانچ گھنٹوں میں وہ جتنا ڈری تھی اب اتنی ہی بے خوف ہو گئی تھی۔ وہ ایک دم اٹھی وہ دونوں ابھی تک کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا ہے تم لوگوں کو سو کیوں نہیں رہیں؟"

"بس سو رہے ہیں۔" وہ اس کے پل میں تولہ پل میں ماشہ والے انداز سے پریشان ہو گئیں۔

"تم کیوں اٹھ بیٹھی ہو؟" تانیہ نے پوچھا۔

"میں نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی ناں اس لئے۔ صبح بھی نہیں پڑھی تھی اور صبح اور عشاء دونوں کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے۔ وہ واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ نماز پڑھ کر اسے گویا سکون ملا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے بے حد قریب محسوس ہوا۔ اسے لگا جیسے وہ بہت بڑے بوجھ سے آزاد ہوئی ہو۔ لیکن صبح مائے لوگوں کے آنے پر پھر اسی خوف نے اسے گھیرنا شروع کر دیا۔ مہندی کا فنکشن شام میں تھا۔ سب صبح ہی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ مائے کو سمیرا بہت کمزور لگ رہی تھی لیکن ان کے پوچھنے پر اس نے اس کو ان کا وہم قرار دیا۔

حالانکہ ذہنی طور پر وہ بہت ڈسٹرب تھی۔ زرینہ بیگم نے بھی یہ بات مائے کو اس ڈر سے نہیں بتائی کہ کہیں شادی کا مزہ کرکرا نہ ہو جائے۔ عباس کو دیکھتے ہی جو نفرت اور غصے کا تاثر اس کے چہرے پر ابھرتا تھا۔ وہ عباس کو بے چین کیے دے رہا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ اس کی محبتوں اور خیال رکھنے والی عادت کا جو نہ صرف اس کے لیے مخصوص تھا کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ اپنے احساسات خود سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مہندی کے لئے ان سب نے سفید کرتے جن کے اوپر پنک ریشم سے کڑھائی کی گئی تھی اور ساتھ میں پنک چوڑی دار پاجامہ 'دوپٹے اور پنک ہی گھنگروؤں والے پراندے لئے گئے تھے۔ سفید ہی کھسے۔ اس کمبی نیشن کے ساتھ خاصے اٹھ رہے تھے۔ سمیرا نے عباس کے خریدے گئے کپڑے کب کے بیڈ کے نیچے پھینک دیے تھے، علیشہ نے گو اسے انہیں کپڑوں میں سے کوئی سوٹ پہننے کا کہا تھا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور یہ انکار عباس کی طبیعت پر خاصا گراں گزرا تھا۔ اس کے پرزور انکار کے باوجود علیشہ نے اسے مکمل طور پر تیار کیا تھا۔ اور وہ اب شرم سے کمرے سے باہر ہی نہیں نکل رہی تھی۔ وہ پانچوں ایک ہی کمرے میں شام چار بجے سے ہی گھسی ہوئی تھیں۔ سب نے دوپٹے ایک ہی انداز سے لئے تھے۔ کندھوں پر سیفٹی پنز کی مدد سے اور سر پر پنز کی مدد سے انہیں مضبوط کیا گیا تھا۔ پراندے سب کے سامنے ڈلے ہوئے تھے۔ پانچوں اکٹھی کمرے سے باہر نکلیں تو کئی نظریں اٹھی کی اٹھی رہ گئیں۔ مائے نے دیکھ کر بے اختیار کہا تھا۔ "اکٹھی مت گھومو' نظر لگ جائے گی"۔ تو پانچوں شرارتی انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ عباس کی نظریں تو جیسے سمیرا پر جم کے رہ گئیں۔ "وہ ہے ہی اتنی خوبصورت یا اس کی بے اعتنائی نے اسے خوبصورت بنا دیا ہے"۔ وہ بڑبڑایا۔ فنکشن شروع ہوا تو زیادہ رش سٹیج پر لگ گیا۔ دولہا والے بھی آ چکے تھے۔ صنوبر نے لیمن کلر کی شرٹ جس کا اگلا پچھلا گلا شرمناک حد تک گہرا تھا اور سلیولیس پہن رکھی تھی اور ساتھ میں سفید چوڑی دار پاجامہ 'قبضہ جمائے رکھا تھا۔ اب لڑکی والوں کو موقع ملا تو انہوں نے نے دیر نہ کی جبکہ وہ چاروں کی چاروں اسٹیج پر چڑھ گئیں۔ سمیرا

عباس کے اسٹیج پر ہونے کی وجہ سے نہیں گئی لیکن وہ کہاں چھوڑنے والی تھیں جیسے ہی پتہ چلا یا پانچواں پیس کم ہے جھٹ سنیع کو لینے بھیجا۔

"آدھی مولی آدھی گاجر بلا رہی ہیں تمہیں"۔ وہ اسے ڈھونڈ کر بولا۔

"کیا کہا تم نے مجھے گاجر کیا پنک ہوتی ہے" اسے پتہ تھا وہ اسے کپڑوں کے کمبی نیشن کی وجہ سے چھیڑ رہا ہے۔

"ہاں۔۔۔! وہ اسے کھینچتا ہوا بولا اور اسٹیج پر آ کر ہی اس کا ہاتھ چھوڑا وہ پھر اتنے سارے لوگوں کے جھرمٹ میں گھبرا گئی۔ کئی پرشوق نگاہیں پانچویں پیس کو دیکھنے کے لئے اٹھی تھیں اور مایوس سی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت اسٹیج پر وہی گھر والے سارے تھی۔ پانچوں لڑکوں نے آسمانی کلر کے کاٹن کے سوٹ پہن رکھے تھے۔ وہ سب کی سب دولہا اور ارم کو چھیڑ رہی تھیں جبکہ سمیرا خود گھبراہٹ سے نکلتی تو کسی کو کچھ کہتی۔ سنیع اور سلمان نے اسے چھیڑنا شروع کر دیا اور وہ بھی گھر والی جون میں آ گئی۔

"مر جاؤ گے تم دونوں میرے ہاتھوں"۔ وہ ان کے تنگ کرنے پر بولی۔

"تم اور ہمیں مارو گی ہم دو ہیں اور تم ایک"۔ اسٹیج پر ایک الگ ڈرامہ شروع ہو چکا تھا۔ سارے ادھر متوجہ ہو گئے۔ دولہا ارسلان سمیت مووی والے نے بھی کیمرہ دولہا دلہن پر سے ہٹا کر اس جانب فوکس کیا۔

"تم دونوں جو آج میٹرک تک پہنچنے والے ہو اس کے لیے تم چنے کی دال کا شکر ادا کرو جس کی وجہ سے میں تمہیں ہر بار چھوڑ دیتی ہوں" گھر والوں کے علاوہ یہ بات کوئی نہیں سمجھا۔

"آج کل جیل میں چنے کی نہیں مونگ کی دال دے رہے ہیں"۔ تانیہ کے بتانے پر سب نے مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ وضاحتی انداز میں بولی۔

"میری دوست نے بتایا ہے کہ اس کا بھائی جیل میں ہے ناں" سمیرا اگر تم ان دونوں کا کا بوجھ دھرتی سے کم کر دو تو میں تمہیں جیل سے بچا سکتی ہوں"۔ صوبیقہ نے اعتماد سے کہا تو سمیرا خوش ہو کر بولی۔

"کیسے ؟" تم تھانیدار کے سامنے جا کر میرا نام لے لینا۔ وہ تمہیں خود بخود چھوڑ دے گا۔ بڑی دہشت ہے میری"

"وہ صرف تمہارا نام لینے سے نہیں چھوڑے گا نام لینے سے اسے کیا پتہ چلے گا کہ تم کتنی بڑی آفت ہو وہ تمہیں دیکھنے کے بعد زندہ نہیں رہے گا اور سمیرا بچ جائے گی" سنیع نے بدلہ لیا۔ جانے مائے کو کس نے خبر دی تھی کہ وہ ہانپتی ہوئی آئیں اور ان سب کو بے نقط سنا کر نیچے لے کر گئیں۔ جاتے ہوئے بھی ان کی نوک جھونک جاری تھی۔ اب اسٹیج پر قبضہ ددھیالی رشتے داروں کا تھا۔ مائے بمشکل اپنی کرسی پر جا کر بیٹھی تھیں کہ ایک لڑکا ان کی طرف آ گیا اور پوچھنے لگا کہ " یہ جو ابھی لوگ اسٹیج پر تھے ان کی آپ کیا لگتی ہیں۔

"کچھ کی نانی اور کچھ کی دادی 'لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ چونکیں لیکن اس سے پہلے وہ کوئی جوب دیتا وہ لڑکی پھر آ گئی جس کی وجہ سے وہ مائے سے ملنے آیا تھا۔

"مائے یہ سنیع اور سلمان دونوں مجھے تنگ کر رہے ہیں، مر جائیں گے یہ میرے ہاتھوں' پھر ممانیاں کہیں گی کہ ہمارے بچے مار دیئے"۔ وہ حیرت سے اس نازک لڑکی کو دیکھنے لگا جو مرنے مارنے کی باتیں کر رہی تھی۔

"ایک تو سمیرا پتری میں تیری اس لڑائی جھگڑوں والی عادت سے بڑی تنگ ہوں۔ کبھی کسے سے لڑائی کبھی کسی سے"۔

"مائے میں بغیر کسی وجہ سے کبھی کسی سے نہیں لڑی اب مجھے آدھی مولی آدھی گاجر کہیں گے تو میں لڑوں گی تو ضرور"۔ اب اس کا روئے سخن دانیال (ارسلان کا بھائی) کی طرف موڑا۔ دیکھئے بھائی صاحب اگر آپ کو کوئی یہ کہے کہ آپ کو کرنٹ کیسے لگا۔ حالانکہ آپ نے اپنی طرف سے ہیئر اسٹائل بنا رکھا ہے تو آپ کو برا لگے گا ناں" اس نے بات کے اختتام پر تائید چاہی تو وہ نجانے کیوں اثبات میں سر ہلا گیا حالانکی اس نے اس پر چوٹ کی تھی۔ وہ کچھ اور کہنے کو تھی کہ سلمان آیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور آدھی

مولی آگھی گاجر کہہ کر بھاگ گیا۔ وہ غصے میں اس کی طرف بڑھ گئی اور دانیال اپنی والدہ ماجدہ کی طرف تاکہ سمیرا کا بتا سکے۔ عباس نے دو تین دفعہ اس سے بات کرنی چاہی لیکن وہ نظرانداز کر کے آگے بڑھ گئی۔ جانے دانیال کی ممی نے خالہ سے کیا کہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے جانے کے بعد تنہائی میں اس سے پوچھنے لگیں۔

"دانیال کو کیا ادائیں دکھائی ہیں کہ وہ تم پر مر مٹا 'اتنا تو ٹائم وہ رکے بھی نہیں کہ تم اپنا مخصوص اظہار کرتی"۔ وہ ان کی باتپر شرم سے کٹ کر رہ گئی وہ بہت کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ وہ غصے سے وہاں سے پلٹ گئیں اور ایک بار پھر سے اس کے دل میں عباس کے لئے نفرت دوچند ہو گئی۔ وہ تو دانیال نامی لڑکے کو جانتی تک نہیں تھی۔ اس نے اللہ تعالی سے بے اختیار دعا کی کہ کوئی ایسا وسیلہ بنا دے جس کی بدولت میں گھر جا سکوں۔ وہ ادھر ہی کھڑی تھی کہ علیشہ آئی اور اس کے ابو کے فون کا بتایا۔

"السلام علیکم ابو کیسے ہیں ؟" وہ ریسیور ہاتھ میں پکڑتے ہوئے بولی۔

"بالکل ٹھیک بیٹا۔ میں کل شام کو اسلام آباد ایئر پورٹ پر پہنچ جاؤں گا ٹھیک 5 بجے۔ اور احسن بھی ساتھ ہونگے۔ تمہاری ممی بھی آنا چاہ رہی ہیں لیکن بزنس کی وجہ سے صرف میں اور تمہارے دونوں بھائی آئیں گے۔ رحمت ادھر ماں کے پاس ہوگا"۔

"سچ ابو!" وہ خوشی سے بولی اور پھر احسن 'احسن رحمت اور امی سے بات کرنے لگی جو گو اس کے سوتیلے تھی لیکن اس کو بہت قریب محسوس ہوتے تھے۔ وہ جا کر خوشی خوشی مائے کو بتانے لگی۔

"مائے میں صبح بابر کے ساتن چلی جاؤں گی آخر کوان کے لئے کچھ تیار بھی تو کرنا ہوگا"۔

"لیکن بیٹا وہ ایئر پورٹ سے سیدھے یہاں بھی تو آ سکتے ہیں"۔

"نہیں مائے شادی والے گھر میں وہ زیادہ آرام سے نہیں رہ سکیں گے"۔ وہ انہیں قائل کر کے ہی رہی 'ارم کو پتہ چلا تو وہ بہت غصہ ہوئی۔

"تم میری بارات تک نہیں ٹھہرو گی"۔

"آجاؤں گی تمہاری بارات تک"۔ وہ اسے مانتے ہوئے بولی۔ سارے گھر والے سو چکے تھے۔ جب عباس ممی کے کمرے میں داخل ہوا۔ ڈیڈی غالباً نہا رہے تھے۔

"ممی! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے"۔

"ہاں بولو بیٹا!" ان کے حوصلہ دیتے انداز پر وہ بولا۔

"ممی میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اب جبکہ سمیرا کے ڈیڈی بھی آ رہے ہیں تو کیوں نہ آپ میرا اور سمیرا کا بھی نکاح کر دیں"۔ ممی اس کی فرمائش پر کھول اٹھیں اور اس کے آکر انکار کرنے اور اپنے کھری کھری سنانے کی ساری داستان سنا دی۔

"اوہ ممی یہ آپ نے کیا کیا۔ اس کا کوئی قصور نہین ہے اور پھر اس نے سارا پلان بتا دیا کہ کیسے وہ خود پر کوئی بات آئے بغیر اس کے زریعہ انکار کروانا چاہتا تھا۔ اس کی ساری بات سن کر ممی کو غصے کا دورہ پڑا۔ "تو پھر اب کیا چاہتے ہو۔ جو تم کروانا چاہتے تھے وہ تو ہو گیا۔ میں نے بھی اس معصوم کو اتنی باتیں سنا دی ہیں!

"ممی! مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔ لیکن ممی وہ مجھ سے بات تک نہیں کر رہی۔ مجھے دیکھتے ہی رخ پھیر لیتی ہے۔ ممی کچھ کریں ورنہ میں اس کے بغیر مر جاؤں گا۔ مجھ سے اس کی یہ بے رخی برداشت نہیں ہو رہی"۔ وہ روہانسے لہجے میں بولا۔ ممی اس کی کیفیت سمجھ سکتی تھی۔ یہ انسانی نفسیات کا ایک حصہ ہے کہ وہ شخص جو آپ کا بہت خیال رکھے خود اپنی ذات پر آپ کو ترجیح دے وہ جب بے رخی والا رویہ اختیار کرے تو آپ کو لگتا ہے کہ آپ مر جائیں گے کیونکہ وہ غیر محسوس طریقہ سے آپ کو فتح کر چکا ہوتا ہے' وہ آپ کی سانسوں میں رچ بس چکا ہوتا ہے اور بھلا کوئی سانسوں کے بغیر کبھی رہ پایا ہے"۔

"لیکن بیٹا میں سمیرا کی مرضی کے بغیر کیسے تمہارا نکاح اس سے کر دوں میں تو خود اس سے بہت شرمندہ

ہوں"۔

"لیکن ممی میں اس کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا۔ پلیز آپ سکندر انکل سے نکاح کی بات کیجیئے گا"۔

"برخوردار یہ بات صبح بھی ہو سکتی تھی اور رہی بات سکندر کی تو اسے میں خود منا لوں گا' میرا جگری یار ہے میری بات کیسے ٹالے گا۔ لیکن تمہیں کیا اتنی جلدی ہے نکاح کی۔ سمیرا کو علم تو مکمل کر لینے دو"۔

محمود صاحب نے غالباً اس کا آخری جملہ ہی سنا تھا ورنہ پوری روداد سنتے تو اس وقت ان کے ہاتھ میں چپل ہوتی۔ وہ جواب میں کچھ نہ بولا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ جبکہ زرینہ بیگم گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ صبح سویرے اٹھتے ہی انہوں نے پہلا کام مائے کو رضامند کرنے کا کیا۔

"لیکن زرینہ اتنی جلدی کیا ہے نکاح کی' اسے پیپرز تو دے لینے دے"۔

"مائے نکاح کی ہی تو بات ہے رخصتی بے شک پیپرز کے بعد کر لیں گے۔

"لیکن بیٹا!" مائے نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ زرینہ بیگم رونے لگیں۔ صبح صبح عباس نے خودکشی کی دھمکی جو دی تھی۔

"مائے یہ میری دلی خواہش ہے کہ سمیرا اور عباس کی شادی ہو جائے"۔ وہ روتے ہوئے بولیں۔

"لیکن سمیرا تمہاری ہی تو ہے بعد میں کر لیں گے شادی۔ وہ کون سا بھاگی جا رہی ہے"۔

"کیا پتہ مائے میں زندہ رہوں نہ رہوں۔ میری خواہش کہ سکندر بھائی کے موجودگی میں کل ارم کے ساتھ ساتھ عباس کا نکاح بھی ہو جائے"۔ انہوں نے مائے کو منا کر ہی دم لیا۔ اب اگلا مرحلہ سمیرا سے معافی کا تھا۔ لیکن ان کے معافی مانگنے پر سمیرا نے کہا۔

"خالہ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے جیسا آپ کو بتلایا گیا اور جو آپ نے دیکھا اس پر میرا آپ کے بیٹے کو بد کرادر کہنا آپ کے لئے کافی تھا۔ مائیں ہوتی ہی ایسی ہیں جو کچھ کہتی رہیں لیکن دوسروں کی اک زرا سی بات

نہیں برداشت کر پاتیں (اپنی اولاد کے بارے میں) وہ مزید شرمندہ ہو گئیں۔ اب مائے نے اسے گھر جانے سے روک دیا بلکہ ایئر پورٹ سے انہیں سیدھا ہی لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مائے نے فون کر کے گھر سے اباجی اور بڑے ماموں دونوں کو آنے کا کہا اور گھر پر ان کے جیٹھ اور ان کے بیٹے کو چھوڑنے کا کہا۔ وہ ذرا نہیں سمجھ پار ہی تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اک ذرا سی دیر میں سارا پروگرام تبدیل ہو گیا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی خالہ ایک بھاری کام والا غرارہ لے کر آئی تھیں۔ ارسلان کے گھر فون کر کے انہوں نے آج کا فنکشن منسوخ کر دیا۔ گھر میں ینگ پارٹی میں صرف عباس کو پتہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے باقی کسی کو بھی نہیں۔ رات ابو اور اس کے بھائیوں کا استقبال نہایت خوشی سے کیا گیا۔ مائے نے رات کھانے کے بعد اسے چائے بنانے کو کہا تھا۔ وہ کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی کہ عباس کچن میں آ گیا۔ عباس نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ بول ہی نہیں رہی تھی۔

''سمیرا میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ پلیز مجھے معاف کر دو' وہ اسے تمام قصہ بتاتا چلا گیا۔

''اوہ تو مسٹر عباس میں اب کیا کروں جو آپ چاہتے تھے وہ تو میں نے اسی دن کر دیا تھا۔

''سمیرا پلیز! کل ارم کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی نکاح ہے۔ تم اپنے ذہن میں موجود سارا زہر نکال دو''۔ خبر تھی یا کوئی بم بلاسٹ جس نے اس کے وجود کے چیتھڑے اڑا دیئے۔

''میں اور تم سے نکاح' کبھی نہیں۔ میں تمہارے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے خودکشی کر لوں گی۔ میں جا کر بات کرتی ہوں مائے سے''۔ وہ اسے کچھ کہنے سننے کا موقع دیئے بغیر باہر نکل گئی۔ وہ دروازہ کھولنا ہی چاہتی تھی کہ ابو کی آواز سنائی دی۔

''مائے آپ نے سمیرا سے پوچھا ہے؟''

''لو بیٹا پوچھنے کی کیا بات ہے وہ انکار کر ہی نہیں سکتی۔ اسے پتہ ہے کہ اس کی مائے جو فیصلہ کرے گی وہ اس کے

حق میں بہتر ہو گا۔ اگر پھر بھی تم اپنی تسلی کرنا چاہتے ہو تو ابھی بلائے دیتی ہوں''۔

''سمیرا او سمیرا۔ ذرا ادھر تو آ''۔ وہ مائے کے پکارنے پر اندر داخل ہو گئی۔ ابو کے پوچھنے پر وہ انکار کر ہی نہ سکی۔ وہ کیسے انکار کر دیتی جب مائے کو اس پر اتنا مان تھا۔ وہ کیس ان کے یقین اور مان کو توڑ دیتی وہ جو بچپن سے لے کر آج تک اس کی خاطر لڑتی آئی تھی۔ اس کے خلاف کسی کی کوئی بات نہیں سنتی تھی۔ جنم تو اسے اس کی ماں نے دیا تھا۔ لیکن پالا مائے نے تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اتنی محبت اور توجہ اسے اس کی ماں بھی نہ دیتی جتنی مائے نے دی تھی۔ وہ رات اس نے کیسے گزاری یہ وہی جانتی تھی۔ عباس نے کافی معافی مانگنے کی کوشش کی لیکن وہ اسے کیسے معاف کر دیتی جس نے صرف ایک انکار کروانے کے لیے اتنا بڑا اقدم اٹھایا تھا۔

صبح ارم کے ساتھ ساتھ اسے بھی بیوٹی پارلر بھیجا گیا۔ دونوں دولہنیں خوب صورت لگ رہی تھیں۔ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے سمیرا کو لگا جیسے اپنے گلے پر چھری پھیر دی ہو۔ ایک پل کو اس کا جی چاہا انکار کر دے لیکن پھر مائے کا مان بھرا لہجہ اسے یاد آ جاتا اور وہ اپنے انکار کی وجہ مائے کو بتائے گی تو کیا۔ وہ اسے کچھ نہیں کہیں گی۔ انہوں نے تو پہلے ہی اسے عباس کے ساتھ بات کرنے سے منع کیا تھا۔ کجا اس کے کمرے میں اکیلے جانے کا پتہ چل جاتا تو اسے ہی سنائی جاتیں اور غلطی تھی بھی اس کی۔ کیوں وہ اکیلی دھڑلے سے اس کے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ نکاح کے بعد ارم تو رخصت ہو گئی جبکہ وہ کپڑے تبدیل کر کے آرام کرنے کی غرض سے لیٹی ہی تھی کہ سارے کزنز نے دھاوا بول دیا مع حسن اور احسن کے۔ رات اپنی پریشانی کی وجہ سے حسن اور احسن سے صحیح طرح سے مل ہی نہیں پائی تھی۔ اور اس کے بعد جوان سب نے مل کر اس کا ریکارڈ لگایا تھا۔ فی امان اللہ۔

''سمیرا تم تو کافی تیز نکلیں۔ میں تمہیں خاصا سیدھا سمجھتی تھی''۔ صوبیقہ نے متاثر ہوتے ہوئے کہا تو وہ حسن اور احسن کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولی۔

"تیز تو تم اور بابر بھی ہو لیکن بڑوں کو اس کی خبر نہیں ورنہ آج تم دونوں کا نکاح بھی یقینی تھا"۔اس کی بات پر وہ دونوں کھسیا گئے جبکہ اب توپوں کا رخ ان دونوں کی طرف ہو گیا تو اس نے سکون کا سانس اور حسن اور احسن سے باتیں کرنے لگی۔ گو ابو نے مائے سے امی اور رحمت کی غیر موجودگی کا بھی کہا تھا لیکن مائے بڑی بے دردی سے بولیں۔

"وہ کون سے سگے ہیں تم موجود ہو یہ کافی ہے 'جب رخصتی کریں گے تو تم سارے لوگ آجانا"۔ عباس کو اس نے ذہنی طور پر قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اب استحقاق سے بات کرتا تھا۔ لیکن اب تو سمیرا نے اسے جوب دینا بھی چھوڑ دیا تھا اور یہی بات اس کے اندر لگی آتش عشق کو اور ہوا دینے لگتی۔نہ جانے کیسا سحر تھا جس نے اسے جکڑ رکھا تھا۔ سمیرا اس کے سامنے ہوتی تو اسے لگتا زندگی میں کوئی رنگ ہے جبکہ اس کی غیر موجودگی میں وہ بجھ سا جاتا۔ نجانے وہ محبت کے کون سے مرحلے پہ تھا کہ اسے سمیرا کی آواز زندگی کی نوید لگتی اور اس کی نے رخی جیسے اس کی روح کھینچ لیتی۔اس نے بارہا سمیرا سے معافی مانگنی چاہی لییکن ہر مرتبہ دھتکارا گیا۔ جس سے اسے اپنے مجرم ہونے کا احساس مزید گہرا ہو گیا۔ارم کے ولیمے کے بعد وہ لوگ بھی واپس آ گئے۔ سمیرا کا نکاح اتنی جلدی میں اور اتنی پردہ پوشی کے بعد کیا گیا کہ سونیا کو مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملا۔ گھر آنے کے بعد وہ پڑھائی میں جت گئی۔ عباس کو اپنے لئے تڑپتے دیکھ کر اسے خاصا سکون ملتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ابو اور بھائی بھی چلے گئے۔ عباس کا روز فون آتا تھا اور پھر وہ سلسلہ جس میں وہ مسلسل معافی مانگ رہا تھا اور یہ معافی نہ دینے پر بضد 'آج بھی وہ ابھی کتاب لے کر بیٹھی ہی تھی کہ صوبیقہ نے آکر فون کی اطلاع دی۔ وہ جھنجلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ فون سننے سے وہ اس لئے انکار نہیں کر سکتی کیونکہ یہ مائے کا حکم تھا اور ممانیوں کی نصیحت کہ جتنا ہو سکے۔ شوہر کو اہمیت دینا تھا کہ وہ ادھر ادھر نہ بھٹکنے پائے۔ وہ فون والے کمرے میں داخل ہوئی تو بڑی ممانی رضیہ اسے آتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ "جی مسٹر عباس آپ مجھے پڑھنے

دیں گے یا نہیں۔ وہ اس کے سلام کے جوب میں نہایت بد تمیزی سے بولی۔

"سمیرا پلیز میں واقعی تم سے محبت کرتا ہوں مجھ سے جو غلطی ہو گئی ہے اس کی اتنی بڑی سزا نہ دو۔

"مسٹر عباس سزا تو آپ نے مجھے دی ہے مجھ سے نکاح کر کے۔ حد سے زیادہ برے لگتے ہیں آپ مجھے، جس وقت میرے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ آپ جیسا انسان میرا شوہر ہے تو میرا جی خودکشی کرنے کو چاہتا ہے"۔ وہ انتہائی نفرت اور حقارت سے بولی۔ عباس کو ایسے لگا جیسے اس کی سانس بند ہو رہی ہو۔ وہ اس پر ہی بس نہیں ہوئی مزید بولی۔ "آپ کا تصور میرے ذہن میں آتے ہی مجھے لگتا ہے جیسے کوئی میری روح کھینچ رہا ہے۔ دم گھٹنے لگتا ہے میرا۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں ابھی مر جاؤں گی۔اس قر نفرت ہے مجھے آپ سے"۔اور اس کے یہ الفاظ سن کر عباس کو لگا جیسے اس کے ہاتھوں میں جان نہ رہی ہو اس کے دل میں درد سا اٹھنے لگا۔ موبائل فون اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ دل پر ہاتھ رکھ کر گرتا چلا گیا۔ وہ غصے سے فون رکھ کر باہر آ گئی۔ ابھی اس کو آئے دس پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ فون کی بیل بجنے لگی۔ وہ غصہ سے بڑبڑاتی ہوئی فون کی طرف بڑھ گئی اور فون ریسیو کرنے کے بعد اس نے جو خبر سنی اس تب لگا کہ حقیقت میں جان نکلنا کسے کہتے ہیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عباس اس سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ اس کی نفرت کے اظہار پر اسے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ وہ بمشکل گھر والوں کو بتا سکی۔ خوش قسمتی سے عبداللہ اور گاڑی دونوں گھر میں موجود تھے۔ وہ سیدھے اسپتال ہی روانہ ہوئے۔ سارے راستے وہ روتی گئی۔ مائے اور ممانیاں گو تسلیاں دیتی رہیں لیکن اس کے آنسو کسی صورت تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ خود کو اس کی حالت کا مجرم تصور کر رہی تھی۔ آئی سی یو کے سامنے ٹہلتے ہوئے رو رو کر اس کے بچ جانے کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ خالہ 'خالو 'علیشہ اور ارم بھی سارے مسلسل رو رہے تھے جبکہ مائے اور ممانیوں سے انہیں سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ خدا خدا کر کے آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر نمودار ہوا۔ وہ سارے بے چینی سے اس

کی طرف بڑھے۔ڈاکٹر کے چہرے پر حوصلہ افزاء مسکراہٹ تھی۔آپ کے مریض اب خطرے سے باہر ہیں اور مسلسل سمیرا سمیرا پکار رہے ہیں۔شدید صدمے کے باعث ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔کوشش کریں انہیں خوش رکھا جائے۔انہیں اب روم میں شفٹ کر دیا جائے گا پھر آپ ان سے مل سکتے ہیں"۔عباس کے روم میں شفٹ ہونے کے بعد وہ سارے اسے دیکھنے اندر بڑھ گئے۔

"کتنا کمزور ہو گیا ہے"۔اس کی یہ حالت دیکھ کر سمیرا کے دل پر چوٹ سی لگی۔خالہ بڑی بے تابی سے اس کی طرف بڑھیں وہ آنکھیں موندے لیٹے تھے۔ان کے چومنے پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"سمیرا نہیں آئی؟"وہ سب سے پیچھے تھی اسے نہ دیکھ کر وہ بڑی بے چینی سے بولا۔سمیرا بری طرح شرمندہ ہو گئی۔

"ماں باپ کا ذرا خیال نہیں بد معاش اور بیوی کی فکر پڑی ہوئی ہے"۔پاپا مسکراتے ہوئے بولے تو وہ بھی مسکرا دیا لیکن نظریں ابھی تک سمیرا کو کھوج رہی تھیں۔بالآخر وہ دشمن جان بھی نظر آ ہی گئی۔

روئی روئی آنکھیں چہرے پر ڈھیروں شرمندگی لئے۔وہ بے خود ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ان کے رشتے کے پیش نظر وہ سارے باہر نکل گئے۔

"کیسی ہو؟"جو سوال اسے پوچھنا چاہیئے تھا وہ عباس پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"وہ ذرا سی نظریں اٹھا کر بولی۔

"تم آ گئی ہو ناں 'بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا"۔وہ محبت پاش لہجے میں بولا۔اس کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بات کرے سو چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"سمیرا کچھ بولو ناں"

"یہی کہہ دو"عباس مجھے آپ سے محبت ہے"وہ اس کی خواہش پر گھبرا گئی پھر بمشکل یہی جملہ دہرا دیا۔

"یہ ہوئی ناں بات کیا خیال ہے رخصتی آج ہی نہ رکھ لیں۔وہ شرارت سے بولا۔

"نہیں کسی صورت نہیں"۔علیشہ اندر آتے ہوئے چلائی۔

ابھی تو میں نے کپڑے بھی نہیں بنوائے"۔

"تمہیں کپڑوں کی پڑی ہوئی ہے اور مجھ سے اک پل کی دوری بھی برداشت نہیں ہو رہی"۔عباس کی بات پر سمیرا شرم سے سرخ ہو گئی اور عباس ہولے سے بولا۔"زندگی واقعی خوبصورت ہے"اور پھر اپنی پسندیدہ نظم کا کچھ حصہ پڑھنے لگا

جب اپنی بولتی آنکھوں سے
تم میرا سب کچھ مانگتے ہو
جب چھوٹ بھی دینے لگتے ہو
تم مجرم بھی گردانتے ہو
جب دل کی میٹھی باتوں پر
تم تھوڑا سا گھبراتے ہو
جب نیلے پیلے رنگوں سے
تم چہرہ آن سجاتے ہو
تو ایسے سارے لمحوں میں
اے جان وفا تم کیا جانو
معصوم سے بچے لگتے ہو
تم کتنے اچھے لگتے ہو

اور سمیرا کو یوں لگا جیسے اس کے ارد گرد ڈھیروں خوشیوں کے گلاب کھل گئے ہوں جن کی خوشبو وہ اپنے ارد گرد محسوس کر رہی تھی۔

ختم شد